باتیں اُن کی یاد رہیں گی

مولانا محمد کامران اجمل
متخصص جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبائع عطا کیں اور ہر شخص کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا، کسی میں ایک خوبی رکھی تو کسی کو دوسری خوبی کے ذریعہ ممتاز کیا، کسی پر اپنا خاص فضل فرما کر کئی خوبیوں سے نوازا اور یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں کہ اپنے کسی خاص بندے کو تمام خوبیوں سے نواز دے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
أن یجمع العالَم فی واحد

تمام صفات وکمالات سے متصف ذات تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کے علاوہ مختلف خوبیوں سے متصف اشخاص کو اللہ تعالیٰ مختلف اوقات میں پیدا فرماتے رہتے ہیں اور ان سے اپنے دین کے مختلف شعبوں میں کام لیتے ہیں، انہیں اشخاص ورجالِ کار میں سے ایک ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ بھی تھے، جنہیں خدا تعالیٰ نے بہت سے کمالات سے نوازا، بہت خوبیاں عطا کیں، جن کی زندگی قابل رشک تھی، جن کی شہادت سے بہت سی آنکھیں اشکبار ہوئیں، بہت سے دماغوں پر اس غم نے اثر کیا، بہت سے دل ابھی تک اسے تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔

استاذ محترم سے چھبیس، ستائیس سال کے عرصے میں ایک بہت بڑی جماعت نے استفادہ کیا، بہت بڑی کھیپ ان کے دورِ تدریس ونظامت میں تیار ہوئی، ہزاروں طالبانِ علوم نبوت نے ان کے سامنے بیٹھ کر فرامینِ رسول کو سیکھا، سینکڑوں خطباء ومقررین پیدا ہوئے، ان حضرات واشخاص کی تعداد بھی کم نہیں، جنہوں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے تحریر سیکھی، اپنے مضامین کی نوک پلک سنواری، اپنے قلموں کے ذریعے دعوتِ دین کا کام سرانجام دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ان کے دنیا سے جانے کے بعد بہت سارے حضرات نے ان پر لکھا اور لکھ رہے ہیں، درج ذیل تحریر کوئی مضمون یا خاص سوانح نہیں، بلکہ چند منتشر واقعات کو جمع کر کے ان سطور میں جمع کیا ہے، گو مرتب نہیں، لیکن خود اپنے ساتھ بیتے ہوئے چند واقعات یا اصل راویوں سے سنے ہوئے چند قصے ہیں، جن

میں ان کی چند صفات کا بیان ہے۔ استاذ محترم کی صفات بہت زیادہ تھیں، کسی کی صفات کو کما حقہ بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا، بلکہ علامات و دلائل سے ان کی صفات پر استدلال کیا جاتا ہے اور واقعات وقصص ان صفات کی طرف اشارہ کرتے اور دلیل بنتے ہیں، اسی لئے ذیل میں صرف چند واقعات ان کی مختلف صفات پر بیان کئے جارہے ہیں۔

قوتِ حافظہ

اللہ تعالیٰ نے استاذ محترم کو بے پناہ حافظہ عطا فرمایا تھا، اکثر باتیں انہیں اچھی طرح یاد رہتیں، کئی کام کافی سال گذرنے کے بعد بھی یاد رہتے اور ضرورت پڑنے پر یاد دلاتے تھے، بلکہ بسا اوقات صاحبِ واقعہ وہ بات بھول جاتا اور استاذ محترم کو یاد رہتی تھی۔ مکہ مسجد کے ایک فاضل مولانا حمید الرحمٰن صاحب کہتے ہیں کہ: ''جب میں مکہ مسجد میں درجہ رابعہ میں پڑھتا تھا اس وقت دانت کی تکلیف کی وجہ سے جامعہ آیا تھا، کلینک میں مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے تکلیف کا پوچھا، میں نے دانت کے درد کا ذکر کیا، پھر مزید چار سال میں نے مکہ مسجد میں پڑھا، جب تخصصِ علومِ حدیث کے لئے جامعہ آیا تو داخلہ کے کچھ عرصہ بعد استاذ جی سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے: ''حمید! تمہارے دانت کا درد کیسا ہے''؟

ایک مرتبہ جامعہ کے ایک فاضل دبئی جانا چاہتے تھے، استاذ محترم نے اپنے چھوٹے بھائی کو بتلایا کہ جامعہ کا فاضل آرہا ہے، ان کا ذرا خیال رکھیں، پھر کسی وجہ سے وہ صاحب وہاں نہ جاسکے، اس واقعہ کو کئی سال گذر گئے، صاحبِ واقعہ کے بھائی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ پرانا ہونے کی وجہ سے ہمیں یاد بھی نہ تھا، لیکن استاذ جیؒ نے شہادت سے کچھ عرصہ پہلے پوچھا کہ تمہارے بھائی دبئی جانا چاہتے تھے، پھر گئے تھے یا نہیں؟ صاحب واقعہ کہتے ہیں کہ میرے ذہن سے یہ بات نکل چکی تھی اور مجھے صحیح یاد بھی نہ تھی، لیکن استاذ محترم کو بخوبی یاد تھی۔ دورانِ درس اکثر گزشتہ اسباق کا حوالہ دے کر فرماتے: ''یہ بات آپ نے فلاں کتاب میں پڑھی ہے، وہاں یوں مذکور ہے'' وغیرہ۔ کسی طالب علم کو دیکھ لیتے، نام معلوم کر لیتے تو برسوں وہ نام یاد رکھتے تھے اور بسا اوقات نام لے کر مخاطب کرتے تھے۔

احتیاط وورع

احتیاط وورع کی صفت استاذ محترم میں بے حد پائی جاتی تھی، احتیاط بھی بہت فرماتے، لیکن اظہار بھی نہیں کرتے تھے۔ ایک بار گھر میں کسی رشتہ دار کے ہاں سے پلیٹوں میں کوئی چیز آئی، پلیٹیں دیکھیں تو وہ جامعہ کے مطعم کی پلیٹوں سے مشابہ تھیں (اگرچہ جامعہ کی نہ تھیں لیکن) فرمانے لگے: یہ پلیٹیں فوراً جن کی ہیں، انہیں بھجوادو۔

ایک طالب علم تخصص میں داخلہ کا خواہشمند تھا، اور امتحان دے کر کامیاب بھی ہو چکا تھا، استاذ محترم کو یہ معلوم تھا کہ یہ طالب علم داخلہ کا خواہشمند ہے، لیکن یہ علم نہ تھا کہ اس کا داخلہ ہو چکا ہے، اس طالب علم نے استاذ جیؒ کے جوتے اٹھا کر ان کے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تو استاذ محترم نے منع فرمایا اور پھر پوچھا: داخلہ ہو گیا؟ طالب علم نے بتایا کہ: ہاں! ہو گیا، تب اسے جوتے دیئے اور فرمایا: ''اصل میں بعض طلبہ جوتے اٹھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارا داخلہ ہو جائے گا، اس لئے میں نہیں دینا چاہتا تھا، اب چونکہ تمہارا داخلہ ہو چکا ہے، لہذا اٹھا لو۔ ایک بار ایک طالب علم نے مطالعہ کے لئے کتاب استاذ محترم کو دی، مطالعہ کرنے کے بعد کسی طالب علم کے ہاتھ بھجوائی، پھر ملاقات کے وقت کئی بار پوچھا کہ آپ کو آپ کی کتاب مل گئی یا نہیں؟ اور ایسا کئی ملاقاتوں میں کیا۔

وفاداری

حضرت استاذ محترم مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ کا ایک خاص وصف جو ہر خاص و عام جانتا تھا ان کی وفاداری تھی، وفاداری میں تو گویا استاذ جی ضرب المثل تھے، چھوٹے سے چھوٹے سفر میں بھی اگر کوئی ساتھ ہوتا اس کا پورا خیال رکھتے اور اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک نکاح میں شرکت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، ایک طالب علم سواری لے کر حاضر ہوا، نکاح پڑھانے کے بعد کچھ کھانے کا انتظام تھا، استاذ محترم نے فرمایا: ''آپ کی جو ترتیب ہے، ذرا جلدی کریں، میرے اس ساتھی کو کہیں جانا ہے۔'' صاحب خانہ نے آسانی کی غرض سے کہا کہ: ''اگر یہ جانا چاہتے ہوں تو چلے جائیں، آپ آرام سے کھانا کھالیں، سواری کا بندوبست ہے، آپ کو گھر پہنچا دیں گے''۔ استاذِ محترم غصہ ہوئے، فرمانے لگے: ''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ میرا ساتھی ہے، میں اس کو ویسے ہی نہیں چھوڑ سکتا، میں اس کے ساتھ آیا ہوں، اسی کے ساتھ جاؤں گا''۔

ایک مرتبہ تعلق والے کی دعوت میں شرکت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، ایک طالب علم کو بھی وہیں جانا تھا، اسے بھی ساتھ لے لیا، دعوت والی جگہ پہنچ کر دیکھا تو اساتذہ بیٹھے تھے اور استاذ محترم کو ساتھ بٹھانا چاہا تو فرمایا: ''آپ بیٹھیں'' اور ایک الگ جگہ جا کر اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے جن کے ساتھ آئے تھے اور اس طالب علم کو بھی ساتھ بٹھایا اور واپسی میں بھی ساتھ لے گئے۔

ایک دفعہ مولانا عرفان شہیدؒ پر ڈاکو نے پستول رکھی اور موٹر سائیکل چھیننے کا ارادہ کیا، استاذ محترم نے دیکھا تو فوراً اس ڈاکو پر جھپٹ پڑے، آپ کو منع بھی کیا گیا، لیکن استاذ جی پیچھے نہ ہٹے، اس شخص نے پستول استاذ جی کی طرف پھیر کر ٹریگر کو دبایا بھی، لیکن گولی نہ چل سکی۔ غرض وفاداری میں اپنی زندگی بچانے کی فکر کے بجائے اپنے ساتھی کا ساتھ دیا، اگرچہ موت بالکل سامنے تھی۔

استاذ محترم حج و عمرہ پر جانے کو خوب پسند کرتے بھی تھے اور ہر سال کوشش بھی فرماتے، جس

سال نہ جاسکتے تو پریشان اور مغموم رہتے تھے، لیکن وفاداری کی صفت کا اس قدر غلبہ تھا کہ بسا اوقات اپنی محبوب ترین چیز حج وعمرہ کو بھی قربان کردیتے۔ آخری یعنی موجودہ سال حج پر اس وجہ سے نہ جاسکے کہ ایک فاضل نے استاذ جی کا پاسپورٹ لے کر ویزے کی کوشش کی، لیکن ویزا نہ لگ سکا، پھر استاذ محترم نے ان کا پاسپورٹ لے کر خود ویزا لگوانے کی کوشش کی تو جواب ملا کہ آپ کا ویزا لگ جائے گا، دوسرا نہیں لگ سکتا، چونکہ اس فاضل نے پہلے استاذ جی کے لئے کوشش کی تھی، اس لئے استاذ جی نے فرمایا کہ: میرے ایک نہیں دو پاسپورٹ ہیں، دونوں کے ویزے لگ سکتے ہیں تو جاؤں گا، ورنہ نہیں۔ اس فاضل نے بہت اصرار کیا کہ استاذ جی! آپ کا ویزا لگ رہا ہے تو آپ چلے جائیں، میں پھر چلا جاؤں گا، لیکن استاذ جی نے فرمایا کہ: نہیں! جب تک دونوں ویزے نہ لگے ہوں، نہیں جاؤں گا اور بالآخر نہیں گئے۔ (اگرچہ مغموم بہت تھے، لیکن وفاداری کی وجہ سے نہیں گئے)۔

سنجیدگی و وقار:

اللہ تعالیٰ نے حضرت شہیدؒ کو سنجیدگی ومتانت سے بھی خوب نوازا تھا، بہت زیادہ خوشی کا موقع ہو یا انتہائی غمگین معاملہ ہو، کبھی غیر سنجیدہ نہ ہوئے، اگرچہ ہنسی کے موقع پر کھل کھلا کر ہنس بھی لیتے تھے، لیکن کبھی کوئی خلافِ وقار کام آپ سے سرزد ہوتے نہ دیکھا گیا۔ ایک سال کلاس میں اپنے مخصوص انداز میں شعر سنائے، کچھ طلبہ نے داد دینے کے لئے سبحان اللہ کہا، بہت غصہ ہوئے اور فرمانے لگے: ''یہ درس گاہ ہے، اس کے وقار کو خراب نہ کرو، کوئی جلسہ گاہ نہیں کہ تم داد دے رہے ہو، تم میں سے بہت سارے ویسے ہی سبحان اللہ کہہ رہے ہیں اور وہ اس شعر کا معنی تک نہیں سمجھے ہوں گے''۔ غرض انتہائی ناراضگی کا اظہار کیا، پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے گھنٹے میں اس قسم کی آواز نکالے۔

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کی شہادت کے موقع پر بہت سارے صبر وتحمل کے پہاڑ بھی اس جانکاہ حادثے کی وجہ سے نڈھال تھے، لیکن استاذ محترم مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ اس موقع پر بھی صبر وتحمل سے رہے اور اس موقع پر بھی غیر سنجیدہ یا جذباتی کوئی بات نہ کی، البتہ انتہائی شدید صدمہ ہونے کی وجہ سے صرف اس قدر دیکھا کہ مہمان خانے کے باہر بینچ پر بیٹھے اپنا سر دیوار کے ساتھ ٹیکے ہوئے تھے۔ مہمانوں کے آنے کی صورت میں طلبہ میں بدنظمی کو بالکل برداشت نہ کرتے، بلکہ یہی تلقین کرتے کہ باوقار رہو، اس طرح کسی کے سامنے جَم گھٹا بنانا وقار کے خلاف ہے۔ ٹھیک ہے مہمان کی محبت وعظمت ہو، لیکن اس طرح نہیں کہ انسان بے وقاری کا مظاہرہ کرے۔

رعب وکشش:

انتہائی سنجیدگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رعب بھی اس قدر عطا فرمایا تھا کہ ہر کسی کی مجال نہ

تھی کہ ان کے سامنے کسی قسم کی حرکت کرے، البتہ جو استاذ محترم کے قریب ہو جاتا وہ اس قدر محبت میں سرشار ہو جاتا کہ پھر ان کے پاس سے ہٹنے کو دل نہ چاہتا تھا، انہیں دیکھ کر وہ منظر بالکل سامنے ہوتا تھا کہ ''من رآہ بداھۃً ھابہٗ ومن خالطه معرفۃً أحبہٗ''۔یعنی جو انہیں دور سے دیکھتا تو مرعوب ہوتا اور جو طلبہ ان کے قریب جاتے وہ ان سے اس قدر محبت کرتے کہ گھنٹہ ختم ہوتے ہی استاذ جی کو تلاش کر کے ان کے پاس جانے کی کوشش کرتے۔

حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی شہادت کے موقع پر کچھ لوگ جہانگیر روڈ کی ٹریفک بند کر رہے تھے، استاذ محترم دیگر اساتذہ سمیت گاڑی میں طلبہ کو جامعہ بھیجنے کے لئے چکر لگا رہے تھے، جب گاڑی جہانگیر روڈ پہنچی تو ایک صاحب نے ڈنڈے کے ذریعے ان کی گاڑی روکنے کی کوشش کی اور سامنے آکر کھڑے ہو گئے، بندہ نے جب دیکھا تو اسے بتایا کہ: جامعہ کے اساتذہ ہیں، کہنے لگا: سب کے لئے ایک حکم ہے، جب اس نے گاڑی روکی، شیخ عطاءؒ گاڑی سے اترے اور اسے کہا کہ: گاڑی میں بیٹھو، اس شخص نے جب استاذ محترم کو دیکھا تو بہت گھبرایا اور معافی مانگنے لگا، تب حضرت شہیدؒ نے فرمایا: ''میری ضمانت پر بیٹھ جاؤ'' بعد میں جب اسے دیکھا تو ایسا پرسکون تھا گویا کچھ دیر پہلے والا شخص نہیں۔ بہر حال خدائے تعالیٰ نے استاذ محترم کو رعب وکشش عطا فرمائی تھی، وہ انہیں کا خاصہ تھا، بہت سارے لوگ ان کی کشش کی وجہ سے ان کی طرف کھنچتے چلے جاتے تھے، ایک مرتبہ قریب آئے تو پھر اسی محفل کے ہو کر رہ گئے اور یوں گویا ہوتے:

تری آباد محفل میں جو ہم نے دن گزارے تھے
قلم لکھنے سے قاصر ہے وہ لمحے کتنے پیارے تھے

ایک بار مسجد علیؓ میں استاذ محترم مولانا عادل صاحب مدظلہ کے کمرے میں تشریف فرما تھے، کسی نے آکر جب دور سے دیکھا کہ حضرت شہیدؒ موجود ہیں تو واپس چلا گیا، ایک چھوٹے بچے نے آکر حضرت شہیدؒ سے کہا: ایک آدمی آپ کو دیکھ کر بھاگ گیا، فرمانے لگے: ''ہاں غلط آدمی میرے سامنے آنے سے ڈرتا ہے، جو آدمی صحیح ہوگا وہ مجھ سے بھاگے گا نہیں'' گویا نہ جاننے والا اس قدر گھبرا جاتا تھا کہ:

یذیب الرعب منه کل عضب
فلولا الغمد یمسکه لسالا

اخفاءِ حال واخلاص:

استاذ محترم حضرت شہیدؒ پر اخفاءِ حال کا بے حد غلبہ تھا کہ نام ونمود کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، کبھی کسی نے سابقہ لاحقہ کے ساتھ نام لینا چاہا تو سختی سے منع فرما دیتے تھے، عبادات وادعیہ کو اس طرح چھپایا تھا کہ ''أسمعت من ناجیت'' کا اس زمانہ میں ایک عملی نمونہ تھے، کبھی

عبادات کو نہ ظاہر کرتے اور نہ کسی سے اس کے بارے میں سننا پسند کرتے، اس قدر اپنے آپ کو چھپایا کہ کبھی کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ تصوف، اہل تصوف اور سلوک کی راہوں سے بھی کچھ تعلق ہے یا نہیں؟ بلکہ بارہ تیرہ سال ان کی شفقتیں محبتیں دیکھ کر اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کسی سے بیعت بھی کی ہے یا نہیں؟

چالیس روزہ کورس کی نصابی کتابوں کے نگرانی کے لئے رات دیر تک بیٹھے رہتے اور اپنی زیرِ نگرانی تمام کتابیں مکمل کروائیں، لیکن اپنا نام تک نہ دیا، بلکہ تقریظ یا پیش لفظ تک خود نہ لکھا، اس سے بڑھ کر یہ کہ جب مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ نے تقریظ میں استاذ جیؒ کا نام لکھا تو وہ نام کٹوا دیا۔

اخفاء حال کا اس قدر غلبہ تھا کہ ایک اللہ والے کے بقول: ''ساری زندگی، میں دو آدمیوں کے تعلق مع اللہ کے بارے میں شک میں رہا، لیکن جب عمرہ کے سفر میں انہیں دیکھا، ان کی عبادت وریاضت دیکھی، تب معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ سے کس قدر تعلق رکھنے والے تھے، ان میں سے ایک مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ تھے اور دوسرے مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ۔

تواضع

تواضع وانکساری اس قدر تھی کہ جامعہ بنوری ٹاؤن جیسے عالمی ادارے کا ناظم تعلیمات ہونے کے باوجود عام بسوں میں یا موٹرسائیکل وغیرہ پر سفر فرماتے تھے، کبھی یہ مطالبہ نہیں کہ کوئی گاڑی ہو یا کوئی پروٹوکول۔ ایک بار وفاق المدارس کی طرف سے مراکز کے دوروں کے لئے روانہ ہوئے تو ایک استاذ کو ساتھ لیا اور ایک بس کے ذریعے ایک مرکز پہنچے، وہاں سے نکل کر دوسری بس میں سوار ہوئے، اسی طرح مختلف مراکز کا دورہ بسوں کے ذریعے کیا اور آخر میں جامعہ فاروقیہ کے قریب پہنچ کر فرمایا: کچھ کھالیتے ہیں اور پھر عام لوگوں کی طرح کچھ امرود وغیرہ لے کر وہیں بیٹھ کر کھائے اور یہ ظاہر بھی نہیں ہونے دیا کہ کوئی بڑے عالم ہیں یا جامعہ کے ناظم تعلیمات۔

دنیا سے بے رغبتی

مولاناؒ کے دل میں دنیا سے بے رغبتی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، اگر وہ چاہتے تو اپنے لئے بہت کچھ بنا سکتے تھے، اپنے منصب اور جاذبیت کے باوجود ان کا طرزِ زندگی اُن کی دنیا سے بے رغبتی پر واضح دلیل ہے، بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ان کی دنیا سے بے رغبتی ہی ایسی چیز تھی، جس نے ان کو اتنا جاذب نظر انسان بنایا تھا، سچ ہے: ''**ازهد في الدنيا يحبك الله وازهد فيما عند الناس يحبك الناس**''۔ ہمیشہ مسافروں کی سی زندگی گزاری، کراچی میں پینتیس سال سے زیادہ قیام، صدر کی مرکزی جامع مسجد میں امامت اور نظامت تعلیم کے باوجود اپنے لئے کوئی عالی شان مکان نہ

بنوایا، بلکہ کراچی میں کوئی مکان بنایا ہی نہیں، اور گاؤں میں بھی اپنے والد صاحب کے ساتھ رہا کرتے تھے، بلکہ طلبہ اور اپنے صاحبزادوں کو یہ سمجھایا کرتے تھے کہ: ''یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہمارے والدین نے ہمارے لئے کچھ چھوڑا نہیں''۔

ایک مرتبہ بندہ صبح مدرسہ کے لئے آرہا تھا، جہانگیر روڈ پر دیکھا کہ استاذ محترم اکیلے سڑک کے کنارے کھڑے ہیں، بندہ نے جاکر پوچھا کہ: استاذ جی! کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ فرمانے لگے: ''ایک جاننے والے کے رشتہ دار کا سہراب گوٹھ میں انتقال ہوا ہے، ان کی تعزیت کے لئے جارہا ہوں'' میں نے عرض کیا: ''استاذ جی! گاڑی؟ فرمانے لگے: ''یہ ساری گاڑیاں ہماری ہی تو ہیں، ابھی W-11 آجائے گی اور بیٹھ کر چلا جاؤں گا۔ ایک عزیز کے بقول: استاذ جیؒ کے والد محترم مدظلہ العالی نے زمین خریدی، تو عزیز کے سامنے استاذ جی نے فرمایا: ''مجھے یہ چیزیں سمجھ نہیں آئیں، بس جس وقت جس چیز کی ضرورت ہو وہ ملے، باقی یہ زمینیں وغیرہ مجھے سمجھ نہیں آتیں''۔ ایک استاذ صاحب فرمانے لگے: استاذ جیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: ''ہم ناظموں کا کیا ہے؟ ادھر اپنے کپڑے اور سامان وغیرہ اٹھایا اور چل دیئے اور ہماری ہے ہی کیا چیز؟''۔

استغناء

یہی دنیا سے بے رغبتی تھی جس کی وجہ سے استاذ محترم کسی سے مرعوب نہ ہوتے اور کسی سے کسی چیز کی توقع اور امید نہ رکھتے، بلکہ استغناء کا معاملہ رکھتے تھے، باوجود سب کچھ کے اپنی وضع قطع ایسی رکھی تھی کہ بالکل ان کے بارے میں پتہ نہ چل سکتا تھا، کبھی کسی مال والے کی طرف جھکاؤ نہ کرتے، بلکہ ہمیشہ مخلصین کا چناؤ فرماتے، چاہے وہ مالدار ہو یا غریب۔

طلبہ و متعلقین پر شفقت

شفقت کی صفت استاذ جیؒ کی ذات میں علی وجہ الاتم پائی جاتی تھی، کبھی کسی طالب علم یا متعلق کو پریشانی میں مبتلا دیکھتے تو فوراً اس کی مدد کی کوشش کرتے، کوئی طالب علم بیمار ہوجاتا یا کسی دوسری پریشانی میں مبتلا ہوتا کوشش یہی کرتے کہ کسی طرح اس کا یہ مسئلہ حل ہوجائے، اور یہ راحت وسکون پالے۔

بندہ کا جب جامعہ میں تقرر ہوا تو یہاں تک پوچھا کرتے تھے کہ کس راستے سے آتے ہو؟ فلاں راستے کے بجائے اگر فلاں راستہ اختیار کرو تو زیادہ بہتر ہے، آتے کس طرح ہو؟ کس کے ساتھ آتے ہو؟ راستہ میں احتیاط سے آیا کرو اور دعاؤں وغیرہ کا خوب اہتمام کیا کرو، راستوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا ہے، کس وقت سے کس وقت تک جامعہ میں ہوتے ہو؟ غرض ایک ایک چیز کے بارے میں خبر گیری فرماتے اور جہاں کوئی خیر خواہی و ہمدردی کی بات ہوتی تو اپنی پدرانہ شفقت کی

بناء پر صحیح طریقہ اور ترتیب سمجھاتے تھے۔

استاذ محترم کے ایک شاگرد کے ساتھ سفر میں چوری کا حادثہ ہوا، استاذ جیؒ کو اس ساتھی کے والد کے ذریعے علم ہوا، گھنٹہ بعد اسے فون کر کے ارشاد فرمایا کہ: پولیس یا دیگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں فلاں استاذ سے بات کر چکا ہوں، انہیں فون کر لیں، وہ تمہیں ترتیب سمجھا دیں گے، یعنی صرف سن کر تسلی ہی نہیں دی، بلکہ اس کے لئے کوشش بھی کی، جب رابطہ وغیرہ کر چکے تب اپنے شاگرد کو فون کیا۔

ایک طالب علم کے والد کا کسی کے دھکا دینے سے انتقال ہوا، اس طالب علم کا استاذ محترم سے کوئی خاص تعلق بھی نہ تھا، بلکہ مدرسہ میں اس کا پہلا سال تھا اور حضرت شہیدؒ سے کچھ پڑھا بھی نہ تھا، لیکن جب استاذ محترم کو معلوم ہوا فوراً اس کے ساتھ تعاون کے لئے مدرسہ کے امور متفرقہ کے ایک ذمہ دار شخص کو فون وغیرہ کر کے باخبر کیا اور ان کے ذریعے پولیس وغیرہ کی کارروائی بھی مکمل کروائی اور آخر تک تمام مراحل میں اس طالب علم کے بارے میں معلوم کرتے رہے۔

کبھی کسی طالب علم کی چھٹی کا مسئلہ ہو یا اس میں صلاحیت دیکھیں اور اس کے داخلے کا مسئلہ ہو تو اس کے لئے کوشش فرماتے تھے، اور بسا اوقات مصروف ہونے کی صورت میں کسی کے ذمے لگاتے کہ اس کے ساتھ رہو اور داخلے وغیرہ کا طریقہ کار بتلاؤ، جب اس کا داخلہ ہو جائے تب مجھے بتلانا۔

شاگردوں کی حوصلہ افزائی

حضرتؒ اپنے شاگردوں میں کوئی صلاحیت دیکھتے تو انہیں اس کام میں آگے بڑھانے کی مکمل کوشش کرتے، ایسا بھی ہوا کہ طالب علم میں صلاحیت دیکھی اور اسے ترغیب دے کر اس کی حوصلہ افزائی کی اور وہ استاذ محترم کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے بہت آگے ترقی کر گیا۔ اپنے ساتھیوں میں اکثر دیکھا کہ جب کسی باصلاحیت ساتھی کو استاذ محترم نے دیکھا، اسے آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ آج بھی بعض بہت قابل اور باصلاحیت اساتذہ کے بارے میں معلوم کیا جائے تو شیخ عطاءؒ کی تشجیع اور آگے بڑھانے کی کوشش کارفرما نظر آئے گی۔ ایک استاذ محترم کے بقول جب ہم فارغ ہوئے اور سال کے لئے جماعت میں گئے تھے تو حضرت شہیدؒ رائے ونڈ تشریف لائے اور فرمایا: اگلے سال کیا کرو گے؟ میں نے عرض کیا: جیسا آپ حضرات فرمائیں، فرمانے لگے: جامعہ میں درخواست دے دو، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ تقرر وغیرہ کے لئے کوشش بھی فرمائی تھی۔

بے تکلفی

اپنی بے حد حساسیت کے باوجود ہمیشہ بے تکلف رہا کرتے اور بے تکلفی کو پسند فرماتے تھے، استاذ کے ساتھ ملنے کا معاملہ ہو، راستے پر چلنے کا معاملہ ہو، کھانے پینے کا معاملہ ہو، حتی کے اٹھنے بیٹھنے کا

معاملہ ہو، ہر چیز میں بے تکلفی کو پسند کرتے تھے، کسی کو تکلف کرتے ہوئے دیکھتے تو بے حد بوجھ محسوس کرتے تھے، اسی سال کی ابتداء میں پٹیل پاڑہ میں مولانا عادل صاحب مدظلہ کے چچا کے جنازے میں شرکت کے لئے تشریف لائے، نمازِ جنازہ پڑھائی، طلبہ جنازہ کے بعد استاذ جیؒ کے پاس جمع ہو گئے بندہ سے پوچھا: جامعہ جاؤ گے؟ بندہ نے عرض کیا: جاؤں گا، فرمانے لگے: بس میں تمہارے ساتھ چلا جاؤں گا، باقی ساتھیوں سے فرمایا: آپ حضرات تکلف نہ کریں، بس قبرستان کی طرف جانا ہو تو جائیں، بندہ کا ابتداءً ارادہ تھا کہ قبرستان چلا جائے، لیکن استاذ جی کی وجہ سے ارادہ ملتوی کرلیا، استاذ جی نے بھانپ لیا، ایک اور فاضل جامعہ ہی کی طرف جارہے تھے، بندہ سے فرمایا: آپ قبرستان چلے جائیں، میں نے عرض کیا: میں آپ کے ساتھ چلا جاتا ہوں، فرمانے لگے: تکلف کی ضرورت نہیں، یہ اسی طرف جارہے ہیں، میں ان ساتھ چلا جاتا ہوں، آپ بے تکلف قبرستان چلے جائیں۔

ایک بار فجر کی نماز میں استاذ جیؒ سے ملاقات کے لئے جامعہ گیا، اتفاق سے استاذ جی ہی کے ساتھ نماز میں کھڑا ہونے کا موقع ملا، نماز کے بعد ادباً تھوڑا سا پیچھے ہٹا تو فرمایا: آگے ہو جاؤ، بندہ آگے ہوا تو رخ تھوڑا سا استاذ جی کی طرف پھیرا، پھر فرمایا: سیدھے بیٹھو۔ اس قدر تکلف کو بھی اپنے بارے میں برداشت نہیں فرماتے تھے۔ جب طلبہ مسجد میں بطورِ مہمان جاتے اور بیٹھنے میں ذرا احتیاط کے انداز میں بیٹھتے، فرماتے: بے تکلف ہو کر بیٹھو! گویا اپنی زندگی میں صحابہ کرامؓ کی خاص صفت ''أقلهم تكلفاً'' پر خوب عمل پیرا تھے اور اپنے عمل سے گویا یہ ظاہر فرماتے کہ:

اے ذوق! تکلف میں ہے تکلیف سراسر
اچھے ہیں وہ لوگ جو تکلف نہیں کرتے

تحقیقی مزاج

اللہ تعالیٰ نے تحقیقی مزاج خوب عطا فرمایا تھا، چالیس روزہ کورس کی کتابوں کے مرتب کرتے وقت دعاؤں، ان کے الفاظ کے تلفظ اور ان کی صحت کا خوب التزام فرماتے اور تحقیق کرواکر لکھواتے۔ دورانِ درس بہت مواقع ایسے آئے جہاں پر استاذ محترم کسی لفظ یا بحث کی تحقیق فرماتے تو اسے خوب واضح دلائل کے ساتھ ثابت فرماتے تھے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ اس بحث کی تحقیق ذہن میں مستحضر نہ ہوتی اور کوئی اشکال پیدا ہو جاتا تو جب تک وہ حل نہ ہو جاتا سکون نہ ملتا اور اس کا بار بار تذکرہ فرماتے رہتے، بلکہ ایسا بھی اکثر دیکھا گیا کہ سبق پڑھایا اور پڑھانے کے بعد بھی اس پر خوب غور فرماتے رہے، اگلے دن آکر دوبارہ اس سبق میں مزید مثالوں سے سمجھاتے، اگر غور وفکر ومزید تحقیق کے بعد اپنی بات درست معلوم نہ ہوتی اور کلاس کے کسی طالب علم نے صحیح رائے ذکر کی ہوتو اگلے دن آکر اس سے دوبارہ پوچھتے اور فرماتے: اس نے جو بتایا تھا، وہی صحیح تھا

اور اس کی صحت کی وجہ بتاتے۔ شہادت سے کچھ عرصہ قبل دورانِ درسِ حدیث ایک روایت میں ذکر آیا کہ: ''ایمن غلام حضرت عائشہؓ کے پاس گھر گیا'' استاذ محترم نے اس کی تحقیق کی کہ یہ ایمن غلام کون ہے؟ صاحب فتح الباری نے ان کے بارے میں کوئی خاص بات اس حدیث کے ضمن میں ذکر نہیں کی، البتہ علامہ عینیؒ نے ذکر کی ہے کہ یہ تابعی ہیں اور ''ابن ابی عمرو المخزومی القرشی'' کے مولیٰ ہیں۔ اس پر اشکال یہ تھا کہ جب حضرت عائشہؓ کے محرم نہ تھے تو ان کے پاس جانے کا ذکر کیسے ہے؟ اس کا جواب علامہ عینیؒ نے یہ دیا ہے کہ: ''ودخول أیمن علی عائشةؓ إما إنه کان قبل آیة الحجاب أو من وراء الحجاب''۔ حضرت استاذؒ فرماتے کہ: یہ آیۃ الحجاب سے پہلے کیسے ممکن ہے؟ جبکہ ایمنؓ مذکور کو علماء نے تابعی لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ آیۃ الحجاب کا نزول حضور ﷺ کے زمانے میں ہوا تو پھر ایک تابعی کا آیۃ الحجاب سے پہلے جانے کا کیا مطلب ہے؟ اور عمر کے لحاظ سے بھی وہ چھوٹے ہیں، مخضرمین میں سے بھی نہیں۔ غرض ابھی اس کی تحقیق پوری نہ ہوسکی اور طلبہ کے ذمہ بھی لگا رکھا تھا کہ آپ حضرات بھی معلوم کریں، ابھی استاذ محترم کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تھی کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اسی طرح دعاؤں وغیرہ میں بھی جن الفاظ کے بارے میں فرماتے کہ: یہ الفاظ احادیث کی کتابوں میں نہیں ملے، بہت تلاش کے باوجود بھی بندہ کو وہ الفاظ نہ مل سکے اور بات وہی صحیح پائی جو استاذ محترم نے فرمائی تھی۔

درود شریف کا اہتمام

حضرت شہیدؒ سے پڑھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ سبق کے دوران جب آقائے نامدار ﷺ کا نام گرامی لیتے تو اس پر کیف اور پر لطف انداز سے لیتے کہ پوری درس گاہ ان کی آواز سے گونج اٹھتی اور درود شریف کے پڑھنے کا انداز اتنا عمدہ ہوتا کہ سامنے والا درود شریف کے پڑھنے پر گویا مجبور ہوتا۔ اکثر درس گاہ میں فرماتے تھے کہ: ''مجھ سے درود کا پڑھنا سیکھ لو، درود صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھا کرو، جلدی کی وجہ سے درود کا حلیہ نہ بگاڑو۔'' اس بات پر اکثر تنبیہ فرماتے کہ: ''ابھی صحیح نہیں پڑھو گے تو پھر فارغ ہو جاؤ گے اور صحیح درود پڑھنا بھی نہیں آئے گا''۔

درود شریف کا اس قدر اہتمام تھا کہ کمپیوٹر میں پہلے سے محفوظ شدہ درود لکھنے سے منع کرتے، بلکہ فرماتے کہ درود پورا لکھا کرو۔ یہ پہلے سے محفوظ شدہ درود نہ لکھا کرو، یہ درود جب تک لکھا رہے گا، تمہارے لئے باعثِ اجر وثواب ہوگا، ہم نے مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ سے یہی سیکھا ہے۔

اکابر پر اعتماد

اکابر پر اعتماد جو حضرت شہیدؒ کے ہاں دیکھا وہ قابل رشک وتقلید تھا، ہر وقت اکابر پر اعتماد

کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے: ''اکابر پر اعتماد کرنا سیکھو''۔ بات بات میں تنبیہ فرماتے کہ خدارا! شذوذ اختیار نہ کرو، اپنی باتوں کے منوانے کے چکر میں نہ رہو، بلکہ یہ اکابر جو کہیں ان کی مانو، بہت سارے فتنوں سے نجات پاؤ گے، یقیناً یہ بات صحیح ہے: ''البرکة مع اکابرکم''۔

ان کی عادت مسلم شریف میں یہ تھی کہ ''حدثنا'' سے پہلے جہاں لفظ ''قال'' نہیں لکھا ہوتا وہاں لفظ ''قال'' نہ پڑھتے تھے، بندہ نے ایک بار تدریب الراوی کی وہ بحث جہاں ''قال'' کے وجوب کا ذکر ہے، استاذ محترم کو مسجد کے برآمدے میں جا کر دکھائی، فرمانے لگے: ''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن ہم نے اپنے اساتذہ سے نہیں سنا ہے، اس لئے نہیں پڑھتا''۔ جب بندہ تخصص فی علوم الحدیث میں داخل ہوا تب معلوم ہوا کہ اس پر ''محمد بن احمد بنیس الفاسیؒ'' نے مستقل رسالہ ''رسالة فی جواز حذف قال عند قولهم حدثنا'' لکھا ہے جو ''خمس رسائل فی علوم الحدیث'' میں چھپ چکا ہے۔ سبحان اللہ! اکابر پر اعتماد سکھانے کا کتنا انوکھا انداز تھا؟! یقیناً یہ کتاب استاذ محترم کی نگاہوں سے گزری ہوگی، مگر بجائے کتاب کا نام لینے کے نسبت اساتذہ کی طرف کی کہ: ''ہم نے اپنے اساتذہ سے نہیں سنا''۔

چہرہ شناسی وفراست

ویسے تو بندہ حضرت استاذ محترم کے بارعب چہرہ، گرج دار آواز، وجیہ شخصیت سے درجہ حفظ سے ہی آگاہ تھا، لیکن اس زمانے میں صرف اس قدر جانتے تھے کہ امتحان کے نتائج کے موقع پر نتائج کا اعلان کرنے والے ہیں، اس کے علاوہ نہ ان کا نام آتا تھا، نہ کچھ اور خبر تھی۔ جب درجہ اولیٰ میں داخلہ لینے آیا تو سب سے پہلی صفت جو استاذ جی کی دیکھی وہ ان کی چہرہ شناسی اور فراست تھی، داخلہ وقت دارالحدیث کے پہلے دروازے کے قریب استاذ جیؒ اور مولانا عادل صاحب مدظلہ ایک ساتھ بیٹھے جائزہ لے رہے تھے، دارالحدیث کے اندر اور درس گاہ سے باہر ایک لمبی قطار داخلہ کے خواہشمند طلبہ کی لگی تھی، بندہ جب جائزہ دینے کے لئے قریب بیٹھا اور جائزہ دینے لگا تو خادم کو آواز دی اور دور بیٹھے ایک خواہشمند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ: اس کا سرٹیفکیٹ لے آؤ، خادم صاحب جب اس لڑکے کے قریب پہنچے تو استاذ محترم کا اشارہ دیکھنے کی وجہ سے فوراً بھاگ گیا، استاذ محترم نے فرمایا: ''میں دیکھتے ہی پہچان گیا تھا کہ اس کی سند جعلی ہے''۔ پھر ایک اور کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے بھی لے آؤ، جب اس سے سند لائی گئی تو اس سے کہا: سچ بتاؤ، یہ سند جعلی نہیں؟ اس نے کہا کہ: اصلی ہے۔ خادم سے کہا: اسے روکے رکھو، وہ بھی بھاگ گیا، پھر فرمایا: اسے سند دے دو اور لائن میں بیٹھنے مت دو۔ ایک بار بندہ دفتر میں استاذ محترم کے پاس بیٹھا تھا، ایک شخص دفتر میں داخل ہوا، استاذ محترم نے دیکھتے ہی فرمایا: ''فلاں مسلک سے تعلق رکھنے والا ہے'' (حالانکہ اس کے چہرے سے مکمل طور پر واضح نہ تھا) قریب بیٹھے دوسرے استاذ صاحب نے فرمایا کہ: یہ کیسے کہا

آپ نے؟ استاذ جیؒ نے بندہ سے فرمایا: جا کر وہ قریب بیٹھے ہوئے استاذ سے پوچھ آؤ، استاذ نے بتایا: ''فلاں مسلک کی کسی تنظیم کے سربراہ ہیں''۔ اور یہ اسی مسلک کا ذکر کیا جو استاذ جیؒ نے فرمایا تھا، اس پر حضرت شہید رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ: ''جب یہ دفتر سے داخل ہوا، میں اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہے''۔

داخلوں کے ایام میں ایک داخلے کا خواہشمند طالب علم استاذ جیؒ کے پاس آیا اور چالیس روزہ کورس کے بارے میں پوچھنے لگا، حضرت شہیدؒ نے ایک طالب علم کو بلوا کر فرمایا: اس کی بات سنو اور اسے کورس کے بارے میں سمجھاؤ، جب یہ شخص طالب علم کے ساتھ بیٹھا، طالب علم نے اسے سمجھانا شروع کیا تو یہ توجہ نہیں دے رہا تھا، پھر خود ہی اس طالب علم کو بتایا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ میں کورس کی بات کر کے استاذ جی کے قریب ہو جاؤں گا اور پھر اپنے داخلے کی بات کروں گا، وہ طالب علم بھی اس سے رخصت ہو گیا، جب استاذ محترم سے ملاقات ہوئی تو استاذ جی نے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو طالب علم نے اس کا مقصد بتایا، استاذ محترم نے فرمایا: ''میں سمجھ گیا تھا، اسی لئے آپ کے حوالے کیا تھا''۔ ایک بار کسی نے عاملوں کا ذکر کیا کہ وہ ماں کا نام پوچھ کر اس شخص کے بارے میں بہت کچھ بتا دیتے ہیں، فرمانے لگے: ''مجھے ماں کا نام مت بتاؤ، اس شخص کو میرے سامنے لا کر کھڑا کر دو، میں اس کے بارے میں بتاتا ہوں کہ کیا کیا کرتا ہے''۔

جامعہ کے ساتھ خلوص

جامعہ کے ساتھ اس قدر خلوص و محبت کا تعلق تھا کہ جامعہ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے اور ہر اس فرد و شئے سے محبت کرتے جس کا جامعہ سے تعلق ہو۔ ایک بار استاذ محترم جامعہ کے شرقی دروازے سے بنات کے مدرسہ میں پڑھانے تشریف لے جا رہے تھے، بندہ بھی ساتھ ہو گیا، ایک شخص نظر آئے، استاذ جی نے انہیں سلام کیا، پھر ان کی سختی کا ذکر کیا، پھر فرمانے لگے: ''یہ شخص مجھ سے بسا اوقات سخت لہجہ میں بھی بات کرتا ہے اور برے انداز سے ملتا ہے، لیکن یہ شخص چونکہ جامعہ کے ساتھ مخلص ہے، اس لئے مجھے محبوب ہے، اور جو شخص جامعہ کے ساتھ مخلص ہو، مجھ سے اگرچہ اس کا رویہ اچھا نہ ہو، میں پھر بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔

اقرباء پروری سے اجتناب

حضرت شہیدؒ کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ مولاناؒ اقرباء پروری سے مکمل اجتناب فرماتے تھے، جبکہ دیگر بعض عام طلبہ کے کاموں میں بڑی خوش دلی سے کوشش فرماتے۔

اقرباء پروری سے اجتناب کی ایک واضح مثال ان کی اولاد، ان کے سب سے قریبی ساتھی اور

بھائی وغیرہ ہیں، ان کے ہر وقت حاضر باش رفقاء اور دوست مولانا عرفان شہیدؒ، مولانا سہیل صاحب اور مولانا آصف صاحب وغیرہ جامعہ کے فضلاء ضرور ہیں، لیکن طویل رفاقت کے باوجود جامعہ کے باقاعدہ اساتذہ نہ تھے۔خود استاذ محترم کے بھائی اور اولاد اس قدر قابل ہیں کہ جامعہ میں تقرر سے کوئی مانع اور رکاوٹ موجود نہ تھی (جبکہ ہر فاضل کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے ادارے سے تادم آخر منسلک رہے، لیکن) ان حضرات میں سے کوئی بھی جامعہ میں استاذ یا کسی شعبہ میں نہیں، ان کے بھائی مولانا لطف الرحمٰن صاحب اور حفظ الرحمٰن صاحب باقاعدہ پوزیشن لینے والے طلبہ میں سے تھے، ان کے صاحبزادے مولانا مسیح الرحمٰن صاحب اور مولانا فصیح الرحمٰن صاحب بھی قابل طلبہ میں سے تھے، لیکن اب تک ان میں سے کوئی بھی جامعہ کا استاذ نہیں بنا، بڑے صاحب زادے مولانا مسیح الرحمٰن صاحب کو گاؤں میں اپنے والد صاحب کی خدمت میں لگایا، وہ وہیں دادا محترم کی خدمت اور تدریس میں مصروف ہیں۔

تربیت

حضرت شہیدؒ تربیتِ طلبہ کا اس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے گویا خدا نے اسی غرض سے پیدا کیا ہو، لباس و پوشاک سے لے کر، اٹھنے بیٹھنے، بلکہ خدمت تک کے بارے میں معمولی غفلت پر فوراً تنبیہ فرماتے اور تربیت کا ایسا انداز اختیار فرمایا کرتے تھے کہ زندگی بھر وہ بات بھولتی نہ تھی، جامعہ کے تمام اساتذہ وطلبہ ان کی تربیت کے شاہد عدل ہیں، سب ہی ان کی صفت سے بخوبی واقف ہیں۔ یہاں ان کی تربیت کرنے کے چند واقعات پیش خدمت ہیں:

۱.....سلام کے معاملے میں آج کل عموماً کوتاہی ہوتی ہے، طلبہ، عوام وخواص اکثر ہی سلام کے معاملے میں مختلف قسم کی غفلتوں میں مبتلا ہیں، بعض سلام ہی نہیں کرتے، بعض سلام مصافحہ کو سمجھتے ہیں، بعض سلام کے الفاظ میں کوتاہی کرتے ہیں۔

حضرت استاذ جیؒ اس پر سخت تنبیہ فرماتے، کئی بار بیان میں اس رواج کی تردید وتشنیع کی اور صحیح انداز میں سلام کرنے کا حکم دیا، فرمایا کرتے تھے کہ: یہ طلبہ مصافحہ کرتے ہیں، سلام نہیں کرتے، بسا اوقات صرف مصافحہ کرنے والے کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے کہ: زبان سے سلام بھی کرو۔

۲.....ایک بار عمرے کا سفر تھا، بندہ کو علم ہوا کہ فجر کے بعد استاذ جیؒ تشریف لے جائیں گے، بندہ فجر کی نماز میں جامعہ حاضر ہوا، حسنِ اتفاق سے صف میں استاذ جیؒ کے ساتھ کھڑے ہونے کا موقع ملا، نماز کے بعد ادباً معمولی سا پیچھے ہوا، تاکہ بیٹھنے میں برابری نہ ہو، ہاتھ کے اشارے سے آگے ہونے کا فرمایا، جب میں آگے ہوا تو رُخ ادباً استاذ جیؒ کی طرف پھیرا، اس پر پھر قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا فرمایا، دعا ہو جانے کے بعد کہا: ''شاید آپ ملنے آئے ہوں گے'' اور مصافحہ اور دعا وغیرہ کر کے رخصت فرمایا: بندہ جب مسجد سے باہر آیا تو دیکھا کہ کافی طلبہ انتظار میں

کھڑے ہیں، جب استاذ محترم مجلس کے دروازے کے قریب پہنچے تو طلبہ نے ملنا شروع کیا اور معانقہ کرتے رہے، بندہ کے دل میں حسرت پیدا ہوئی کہ یہ طلبہ تو یہیں کے رہائشی ہیں، میں تو دور سے ملاقات کے لئے آیا ہوں اور مجھے مصافحہ کر کے رخصت کر دیا، میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ استاذ محترم نے آواز دی اور اپنے پاس بلایا، بندہ نے جلدی سے جا کر معانقہ کیا، حضرت شہیدؒ فرمانے لگے: ''اس وقت معانقہ اس لئے نہیں کیا کہ لوگ سوچتے کہ یہ کہاں جا رہا ہے؟ وہ لوگ بھی ملنے آتے، ان پر بوجھ ہوتا، اس لئے وہاں نہیں ملا''۔

۳..... درجہ ثانیہ میں بندہ ہدایۃ النحو کی کاپی موڑ کر لکھ رہا تھا، جس سے گتے پر بھی اثر پڑ رہا تھا، استاذ محترم نے کچھ کہنے کے بجائے ہاتھ سے کاپی لی اور سیدھا کر کے فرمایا: ''اب لکھو، موڑو مت'' استاذ محترم کا انداز اس قدر دل نشین تھا کہ اب تک دوبارہ کاپی موڑنے کی نوبت نہیں آئی۔

۴..... کچھ طلبہ مجلس دعوت وتحقیق کے راستے کے بیچ میں کھڑے گفتگو کر رہے تھے، استاذ محترم گاڑی میں تشریف لائے اور اپنے مخصوص انداز میں اُنہیں فرمایا: ''بیچ میں کھڑے ہو کر گفتگو کر لو'' یہ سن کر وہ طلبہ تو فوراً ہٹ گئے، لیکن وہاں سے گزرتے ہوئے یہ منظر ہمارے لئے اتنا مؤثر مربی ثابت ہوا کہ اب راستہ کے بیچ میں کھڑے ہو کر گفتگو کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

۵..... ایک طالب علم گیلے ہاتھ استاذ محترم سے ملانے لگا تو فرمایا: ''ہاں دو چار سے مزید ملا لو، تاکہ تمہارے ہاتھ سوکھ جائیں''۔ اس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ اب کسی کے ساتھ تر ہاتھ نہیں ملا سکتے۔

۶..... خدمت کرنے والے سے چائے اگر ساسر میں گر جاتی یا ٹرے میں، تو تنبیہ فرماتے اور اسے اٹھا کر کسی چیز سے صاف کرنے کا فرماتے۔ ان کی تربیت کے اس قدر واقعات ہیں کہ خود مستقل ایک رسالہ اس پر لکھا جائے تب جا کر کچھ حصہ سامنے آئے، ان کے شاگرد اساتذہ ہوں یا طلبہ سب ہی کی ہر وقت تربیت فرماتے تھے، آج اساتذہ اور طلبہ کو اپنے ایک محسن وشفیق استاذ کے جانے کے غم کے ساتھ ساتھ اپنے مربی ومصلح شیخ اور والد کے گم ہونے کا غم بھی ہے۔

چالیس روزہ کورس

حضرت استاذ شہیدؒ کے جہاں اپنے شاگردوں پر احسانات ہیں، وہیں پر عوام اور عصری طلبہ پر بھی بہت احسانات ہیں، جس طرح انہوں نے جامعہ میں رہ کر درجہ اولیٰ سے دورۂ حدیث تک کتابیں پڑھا کر طلبہ کی ضروریات کو پورا کیا، اسی طرح چالیس روزہ تعلیم وتربیت کورس شروع کر کے اسکول وکالج کے طلبہ کی دینی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش فرمائی، جس طرح جامعہ میں پڑھنے والے ان کے شاگرد حضرت الاستاذ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں، اسی طرح چالیس روزہ تعلیم وتربیت کورس بھی ان کے لئے ان شاء اللہ صدقۂ جاریہ رہے گا۔ جو انہوں نے اسکول، کالج کے طلبہ کی چھٹیوں کو ضائع ہونے سے بچانے

اور مسلمانوں کو ان کی بنیادی تعلیمات کی طرف توجہ دلانے کے لئے شروع کیا، اس کورس کی کتابوں کے لکھنے، اس کورس کے مرتب کرنے اور اپنی مسجد صالح میں اسے شروع کرنے اور کتابوں کے چھپوانے کے تمام مراحل کی خود نگرانی کی اور اخلاص کے ساتھ یہ کورس شروع کیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ کورس اس قدر پھیلا کہ نہ صرف کراچی، پاکستان بلکہ بعض ممالک میں یہ کورس شروع ہوا اور ہزاروں تشنگانِ علم نے اس چشمۂ فیض سے اپنے آپ کو سیراب کیا اور بہت سارے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔

اللہ تعالیٰ اس کورس کو تا قیامت جاری وساری رکھیں اور استاذ محترم کے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں اور استاذ محترم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں اور ہم سب پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرما کر ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

نتیجۂ فکر: سید الابرار سعید چترالی، درجہ سادسہ

.....

اس گلشنِ بنوری کے اک اور جانباز چلے ہیں آج
میرے محسن میرے مشفق میرے استاذ چلے ہیں آج
کبھی جو ساتھ ہوتے تھے سفر میں بھی حضر میں بھی
میرے حضرت اسکندر کے وہی ہمراز چلے ہیں آج
چمن کے گوشے گوشے میں قد دلکش کی باتیں ہیں
اہل گلشن کی نظر میں جو تھے ممتاز چلے ہیں آج
انہیں کا نام بھی ہوگا یقیناً اہل جنت میں
وہ دنیا سے شہادت کا لئے اعزاز چلے ہیں آج
جہاں تشریف رکھتے تھے وہ مسند آج خالی ہے
وہی مفتی نظام الدین وہی انداز چلے ہیں آج
جہاں کو رشک آتا ہے ایسی تھی زندگی ان کی
کیا تھا جس نے الفت کا عجب آغاز چلے ہیں آج
جب ان کی یاد آتی ہے سینے میں دل دھڑکتا ہے
سعید ہر دم اسی پر تھا جو تم کو ناز چلے ہیں آج